طاعون حدیث کی روشنی میں

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست طاعون کی بیماری حدیث کی روشنی میں

طاعون کی بیماری

حدیث کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طاعون کی بیماری — حدیث کی روشنی میں

گجرات کے بعض علاقوں میں آجکل طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے جس کا ذکر اخبارات و دیگر ذرائع ابلاغ سے سننے کو مل رہا ہے اور بعض لوگ اس سلسلہ میں یہ پوچھتے ہیں کہ اسلام میں اس کے بارے میں کیا وارد ہوا ہے؟ احقر کو اسی پر خیال ہوا کہ احادیث و اسلامی روایات میں طاعون کے بارے میں جو آیا ہے اس کو جمع کردوں، لہٰذا اس مختصر تحریر میں اسی کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

طاعون کیا ہے؟

اس سے قبل کہ طاعون کے بارے میں احادیث پیش کی جائیں مناسب ہے کہ اس بیماری کا مختصر تعارف اور اس کے اسباب پر روشنی ڈال دی جائے۔

طاعون ایک وبائی بیماری ہے جو عام طور پر موت پر جا کر منتج ہوتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک طاعون کا معنی وباء ہے اور اطباء کہتے ہیں کہ طاعون ایک ردی قسم کا قاتل و مہلک ورم ہے جس سے شدید تپش پیدا ہوتی ہے اور وہ انتہائی الم ناک ہوتا ہے اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا رہتا ہے اور عموماً اس سے متأثرہ حصہ سیاہ یا ہرا ہو جاتا ہے، اور یہ ورم عموماً تین جگہ پیدا ہوتا ہے: ایک بغل میں، دوسرے کان کے پیچھے، تیسرے نرم گوشت میں۔ (۱)

(۱) دیکھو: زاد المعاد لابن القیم: ۴/۳۴، فتح الباری: ۱۰/۱۸۰، عمدۃ القاری: ۱۴/۲۰۵

طاعون کے ظاہری و باطنی اسباب

طاعون کے اسباب اطباء وڈاکٹر جو بیان کرتے ہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہیں ،مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس کا سبب گندہ متعفن خون ہے جو سمیت کی وجہ سے عضو کو فاسد کردیتا اور اس کے اطراف واکناف کے حصوں کو متغیر کردیتا ہے۔(۱)

لیکن یہ ظاہری اسباب ہیں ،ان کے علاوہ کچھ باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں جو ان ظاہری اسباب کے بھی اسباب ہوتے ہیں ۔ چنانچہ طاعون کے بارے میں احادیث میں ہے کہ اس بیماری کے کچھ باطنی اسباب بھی ہیں ،اور اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جس طرح ظاہری اسباب سے چیزوں کا وجود وظہور ہوتا ہے اسی طرح کچھ باطنی اسباب بھی ان کے ہوتے ہیں ،حافظ ابن القیم نے کہا کہ :اس کے اسباب کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر بھیجے گئے عذاب کا باقی ماندہ حصہ ہے ،اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ جنات کا حملہ ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ ایک نبی کی بد دعاء کا نتیجہ ہے ،اور ان اسباب وعلل کا رد اطباء کے پاس کچھ نہیں ہے جس طرح ان کے پاس اس بارے میں دلالت کرنے والی بھی کوئی چیز نہیں ہے ،اور ان امور کی خبر تو اللہ کے پیغمبر دیا کرتے ہیں ۔(۲)

الغرض ڈاکٹر لوگ طاعون کے جو اسباب بیان کرتے ہیں وہ اس کے ظاہری اسباب ہیں ،اور اللہ کے پیغمبر اس کے وہ اسباب بیان کرتے ہیں جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور وہ انہیں اللہ کی جانب سے بتائے جاتے ہیں ۔

ہم اس تحریر میں احادیث واسلامی روایات کے حوالے سے اس کے باطنی اسباب پر بھی روشنی ڈالیں گے ،تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ بیماریاں دراصل کچھ باطنی اسباب کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں ،جن کی طرف عام طور پر لوگ توجہ نہیں کرتے ۔

(۱) زاد المعاد:۳۴/۴ (۲) زاد المعاد:۳۴/۴ ،فتح الباری:۱۸۰/۱۰ ،عمدۃ القاری:۲۰۶/۱۴

اب لیجئے اس سلسلہ میں احادیث واسلامی روایات ملاحظہ کیجئے۔

طاعون، عذاب خداوندی

طاعون کے انہی باطنی اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ خدا تعالی کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس کو عذاب بنا کر نازل کیا تھا، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

"الطاعون رجز أوعذاب عُذِّبَ به بعضُ الأُمم ، ثم بقي منه بقيةٌ، فيذهب المرّةَ ، ويأتي الأُخرىٰ ، فمَنْ سَمِعَ به بأرض فلا يقدمنَّ عليه ، ومن كان بأرض وَقَعَ بها فلايخرج فراراً منه "(**طاعون ایک عذاب ہے،** جس کے سے **بعض امتوں کو عذاب** دیا گیا، پھر اس میں سے کچھ باقی رہ گیا، وہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے، پس جو شخص کسی علاقے میں اس کا ہونا سنے تو اس کو وہاں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے بھاگنا نہ چاہئے)(۱)

بخاری، مسلم، نسائی نے دوسرے طریق سے حضرت اسامہؓ ہی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ :"الطاعون رجس أرسل على طائفةٍ من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم " (**طاعون ایک عذاب ہے** جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر بھیجا گیا یا تم سے پہلے کے لوگوں پر بھیجا گیا تھا)(۲)

پہلی حدیث میں بغیر شک کے بعض امتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس دوسری روایت میں ''بنی اسرائیل یا تم سے پہلے کے لوگ'' کہہ کر شک کا اظہار راوی کی

(۱) بخاری :۶۵۷۳، مسلم:۲۲۱۸، مالک :۱۵۸۸(۲) بخاری :۳۲۱۴، مسلم:۴۱۰۸، سنن کبری نسائی:۳۶۲/۴

طرف سے کیا گیا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ طاعون دراصل ایک عذاب خداوندی ہے، جو پچھلی بعض امتوں پر اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا، پھر اس کے بعد اس کو اٹھالیا گیا، اب جب خدا چاہتا ہے اس کو بھیجا جاتا ہے اور پھر اٹھالیا جاتا ہے۔

طاعون جنات کا حملہ

طاعون کے باطنی اسباب میں سے ایک سبب جنات کا حملہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " **فناءُ أُمّتِي بالطعن والطاعون ، قالت: فقلتُ: يارسولَ الله ! هذا الطعن قد عرفناه ، فما الطاعون؟ قال: غُدّةٌ كغُدّة الإبل ، المقيمُ فيها كالشهيد، والفارُّ منها كالفارِّ من الزحف – وفي رواية إسحاق – قال: غُدّة تأخذهم في مرافقهم ، الميتُ فيه شهيدٌ ، والقائم المحتسبُ فيه كالمرابطفي سبيل الله ، والفارُّ منه كالفارِّ من الزحف**" (میری امت کا فنا طعن (زخم) یا طاعون سے ہوگا، میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ طعن (زخم) تو ہم جانتے ہیں، یہ طاعون کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ اونٹ کی گلٹی کی طرح ایک گلٹی ہے۔ اس میں قائم رہنے والا شہید کی طرح ہے اور اس سے بھاگنے والا میدان جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور اسحاق کی روایت میں اس طرح ہے کہ "یہ ایک گلٹی ہے جو لوگوں کی کہنیوں میں نکلتی ہے، اس میں مرنے والا شہید ہے۔ اور اس میں ثواب کی خاطر قائم رہنے والا اللہ کے راستے میں نگرانی کا کام کرنے والا ہے، اور اس سے بھاگنے والا میدان جہاد سے بھاگنے والا ہے"۔)(۱)

(۱) مسند احمد: ۶/ ۲۵۵، مسند اسحاق بن راھویہ: ۳/ ۶۱۷

حضرت ابوموسی اشعریؓ مرفوعاً رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ :" فناءُ أُمّتِي بالطعن والطاعون ، قال: فقلنا: یارسولَ اللّٰه ! هذا الطعن فقد عرفناه ، فما الطاعون؟ قال:طعن أعدائكم من الجنِّ و في كلٍّ شهادةٌ "(میری امت کی فنا طعن (زخم) یا طاعون سے ہوگی ، پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ طعن (زخم) تو ہم جانتے ہیں ، یہ طاعون کیا ہے؟ فرمایا کہ تمہارے دشمن جنات کا حملہ ہے۔اوران دونوں (طعن وطاعون) میں شہادت کا مرتبہ ہے)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشادفرمائے کہ :"وَخزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ"(یہ تمہارے دشمن جنات کا حملہ ہے)(۲)

فائدہ

اس حدیث کے راوی زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ مجھے راوی کی بات پر اطمینان نہیں ہوا تو میں نے جنوں کے سردار سے پوچھا جوان کے ساتھ تھا،تو اس نے کہا:"صدق"،یعنی اس نے سچ کہا۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اورفرمایا کہ ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔اورفرمایا کہ ابن خزیمہ وحاکم نے ایک دوسرے طریق سے اس کو روایت کیا ہے،اس میں ہے کہ ابوموسی اشعریؓ نے کہا کہ میں نے طاعون کے بارے میں اللہ کے رسول ا سے سوال کیا،آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمن جنات کی طرف سے زخم ہے اور وہ تمہارے حق میں شہادت ہے۔ابن حجر نے اس روایت کو بھی بعد بحث قابل اعتبار قرار دیا ہے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جنات شرارت کی وجہ سے انسانوں پر حملہ کرتے

(۱) مسند احمد:۴/۴۱۷،مسند ابوداؤد دطیالسی:۱/۷۲،معجم اوسط طبرانی:۲/۱۰۵(۲)احمد:۴/۳۹۵،معجم اوسط:۳/۳۶۷،معجم صغیر:۱/۹۵(۳)فتح الباری:۱۰/۱۸۲

ہیں، جس کا اثر ان صورتوں سے ہوتا ہے جن کو اطباء حضرات اسبابِ طاعون کہتے ہیں، ورنہ اصل سبب جنات کا حملہ ہے۔ اللہ کی طرف سے ایسا انتظام ہوتا ہے کہ عذاب نازل کرنے کے لئے جب طاعون بھیجنا چاہتے ہیں تو جنات سے حملہ کروا دیتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

ان احادیث میں طاعون کا سبب جنات کا حملہ بتایا گیا ہے، اس پر بعض لوگ اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ اطباء اور ڈاکٹروں نے طاعون کے جو اسباب بیان کئے ہیں ان میں اس کا ذکر نہیں ملتا اور وہ لوگ اس کے دوسرے اسباب بیان کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولا تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوں، بہت سی اشیاء ہیں جن کے دو دو چار چار اسباب ہوتے ہیں، لہٰذا اگر اطباء نے اس بیماری کے کچھ اسباب کا کھوج لگایا ہو اور نبی علیہ السلام نے اس کا دوسرا سبب بیان کیا ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں۔

علامہ کلاباذی نے فرمایا کہ یہ احتمال ہے کہ طاعون دو قسم کا ہو: ایک قسم وہ جو خون وصفراء کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اور دوسری وہ جو جنات کے حملہ سے ہوتی ہے۔(۱)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اطباء تو اپنے وضع کردہ قواعد واصول کے مطابق کلام کرتے ہیں اور یہ سب امور ظاہری وحسی ہوتے ہیں جہاں تک کہ ان کی نظر پہنچتی ہے، اور انبیاء وہ بات بتاتے ہیں جو ان اطباء کے ادراک ورسائی سے ماوراء ہوتے ہیں، اور یہاں طاعون کا جو سبب حضرت نبی کریم ﷺ نے بیان کیا ہے کہ وہ جنات کے حملہ سے ہوتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ اطباء کے ادراک واحساس سے ماوراء بات ہے، لہٰذا اگر اطباء کو یہ معلوم نہ ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔(۲)

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۸۱ (۲) مستفاد از عمدۃ القاری: ۱۴/۲۰۶، فتح الباری: ۱۰/۱۸۱

علامہ ابن حجر نے اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ طاعون کا جنات کے حملہ سے ہونے کی تائیداس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ بیماری اکثر بیشتر معتدل موسم میں اور ہواء اور پانی کے لحاظ سے عمدہ شہروں میں واقع ہوتی ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی کی بات سچی ہےاوراس میں کسی قسم کے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں،اور دلائل وقرائن اس کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔

فرعونیوں پر طاعون کا عذاب

حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں قبطی نسل پر اللہ کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا تھا،جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص ایک مینڈھا ذبح کرے، پھر اپنے ہاتھوں کو اسکے خون سے رنگ لے، پھر اس رنگین ہاتھ کو اپنے دروازہ پر مارے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ایسے ہی کیا،قبطی لوگوں نے (جو فرعون کے خاندان والے ہیں) حضرت موسی علیہ السلام سےاور بنی اسرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟انہوں نے بتایا کہ اللہ تم پر عذاب بھیجے گا اور ہم اس علامت کی وجہ سے نجات پائیں گے۔ جب صبح ہوئی تو اس طاعون کے عذاب سے قوم فرعون کے ستر ہزار افراد لقمۂ اجل ہو چکے تھے۔اس پر فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعاء کردیجئے،اگر وہ اس عذاب کو ہم سے نجات دیدے گا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔الخ (۲)

بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

بنی اسرائیل پر خدا کی طرف سے اس عذاب کا آنا احادیث میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر وہ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ان پر کب اور کس طرح یہ عذاب آیا؟

(۱) عمدۃ القاری:۱۴/۲۰۶-۷، فتح الباری:۱۰/۱۸۱ (۲) طبری بحوالہ فتح الباری:۱۰/۱۸۳

اس کی تفصیل طبری نے سیارؒ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ:

ایک جگہ بلعام نامی ایک شخص رہتا تھا، جو مستجاب الدعاء تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ اس علاقہ میں جانے کے لئے نکلے، جس میں بلعام رہتا تھا (وہاں جانے کا مقصد وہاں کی کافر قوم سے جہاد کرنا تھا) بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور کہا کہ موسی اور بنی اسرائیل پر بددعاء کردو۔ اس نے کہا کہ میں اللہ سے مشورہ کروں گا۔ بعد مشورہ اس کو منع کر دیا گیا کہ موسی علیہ السلام پر بددعاء نہ کرو۔ اس کے بعد اس کی قوم تحائف وہدایا لے کر اس کے پاس آئی، اس نے پھر وہی کہا کہ میں اللہ سے معلوم کروں گا، اب اللہ کی طرف سے اس کو کچھ جواب نہ ملا۔ قوم نے کہا کہ اگر یہ کام برا ہوتا تو اس سے آپ کو منع کیا جاتا، اس پر وہ بددعاء کرنے تیار ہو گیا اور بددعاء کی، اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جس سے خود اس کی قوم پر بددعاء ہو گئی۔ اس پر اس کی قوم نے اس پر ملامت کی، اس نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کس چیز میں ہے؟ اس نے کہا کہ تم اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بنی اسرائیل میں بھیجو تا کہ بنی اسرائیل ان سے ملوث ہو جائیں اور زنا کر کے ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل ان عورتوں سے ملوث ہو گئے، اس پر بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا اور ایک دن میں ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔ (۱)

اس روایت کے بارے ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ مرسل جید ہے۔ (۲)

حضرت داؤدؑ کی قوم پر طاعون

بنی اسرائیل پر حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں جس طرح یہ عذاب آیا،

(۱) تاریخ الطبری: ۱/۲۵۸-۲۵۹، البدایہ والنہایہ: ۱/۳۲۲ (۲) فتح الباری: ۱۰/۱۸۳

حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں بھی بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا تھا۔ابن اسحاق نے اسکی تفصیل ذکر کی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد پر وحی نازل فرمائی کہ بنی اسرائیل کے گناہ بڑھتے جارہے ہیں۔لہٰذا اب انہیں تین باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے،یا تو انہیں قحط میں مبتلا کروں گا،یا دو ماہ تک دشمنوں کو ان پر مسلط کروں گا،یا تین دن تک طاعون میں مبتلا کروں گا،حضرت داود علیہ السلام نے انہیں اسکی خبر دی، انہوں نے کہا کہ آپ ہی ان میں سے کسی بات کا ہمارے لئے انتخاب کر لیجئے ، حضرت داؤدؑ نے طاعون کو پسند کیا،چنانچہ اس میں مبتلا ہوکر سورج کے زوال تک ستر ہزار اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے ،حضرت داؤدؑ نے تضرع کیا اور دعاء کی تو اللہ نے اس بیماری کو اٹھالیا۔(۱)

طاعون فحش کاری کی سزا

بنی اسرائیل پر طاعون آنے کا واقعہ جو اوپر ذکر کیا گیا،اس سے معلوم ہوا کہ ان پر یہ عذاب زنا و فحش کاری کے نتیجہ میں آیا تھا اور دیگر احادیث سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فحش و زنا کے عام ہونے پر اللہ تعالی طاعون بھیجتا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :" **لَمْ تَظْهَرِ الفَاحِشَةُ فِيْ قَوم حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلّا فَشَا فِيْهِم الطَّاعُوْنُ والأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلافِهِم الّذِيْنَ مَضَوْا** "(جس قوم میں فحش کاری عام ہوجائے حتی کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے،اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آباء واجداد میں نہیں گذریں)(۲)

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۸۳(۲)ابن ماجہ:۴۰۰۹،مستدرک حاکم:۵۱۸۳/۴، المعجم الاوسط: ۶۳/۵،شعب الایمان:۱۹۲/۳

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ :"ولا فشا الزنى في قوم قطُّ إِلَّا كَثُرَ فيهم الْمَوْتُ"(کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت کی کثرت ہوجاتی ہے)(۱)

(۳) ام المؤمنین حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :" لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَالَمْ يَفْشُ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَإِذَا فَشَا فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَيُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ"(میری امت بخیر ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچے زیادہ نہ ہوجائیں اور جب حرامی بچے زیادہ ہوجائیں اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا)(۲)

اور طبرانی نے معجم کبیر میں اسی حدیث کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:" لاَ تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مُتَمَاسِكٍ أَمْرَهَا مَا لَمْ يَظْهَرْ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا ، فَإِذَا ظَهَرُوا خَشِيتُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ"(میری امت بخیر ہوگی ، اپنے امور پر قابو رکھنے والی ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کا ظہور نہ ہوجائے اور جب حرامی بچوں کا ان میں ظہور ہوجائے تو مجھے خوف ہے کہ اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا)(۳)

ان میں جن روایات میں موت کا ذکر ہے اس سے جمہور علماء نے طاعون ہی مراد لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا کاری وفحش کاری کی سزا میں بھی طاعون آتا ہے۔

طاعون کافر کے لئے زحمت، مؤمن کے لئے رحمت

احادیث پاک بتاتی ہیں کہ طاعون کافر کے حق میں لعنت وزحمت ہے اور

(۱) موطا مالک:۹۸۱؛شعب الایمان:۱۹۶/۳(۲) مسند احمد:۳۳۳/۶(۳)معجم کبیر:۲۳/۲۴

مؤمن کے لئے رحمت وشہادت۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے طاعون کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ " **إنه عذاب يبعثه الله على من يشاء ، وإن الله جعله رحمةً للمؤمنين ، ليس من عبدٍ يقع الطاعون ، فيمكث في بلده صابراً مُحْتَسِباً يعلم أنه لايصيبه إلّاما كتب الله له إلا كان له مثل أجر شهيد**"(یہ اللہ کا عذاب ہے، جو اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اور اللہ نے اس کو مؤمنوں کے لئے رحمت بنایا ہے۔ پس جو بندہ کہ طاعون پڑے اور وہ اپنے اسی شہر میں صبر کرتا ہوا رہے اس علم ویقین کے ساتھ کہ اسے وہی (بیماری ومصیبت) پہنچتی ہے جو اللہ نے اس کے حق میں لکھا ہے تو ایسے شخص کو شہید کے اجر کے مثل اجر دیا جائے گا)(۱)

(۲) ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ابوعسیب سے یہ الفاظ آئے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: **أتاني جبريل بالحمى والطاعون ، فأمسكت الحمى بالمدينة وأرسلت الطاعون إلى الشام ، فالطاعون شهادةٌ لأمتي ورحمةٌ لهم ، و رجسٌ على الكافرين**"(حضرت جبریلؑ میرے پاس بخار اور طاعون کو لیکر آئے، میں نے بخار کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو ملک شام بھیج دیا، پس طاعون میری امت کے لیے شہادت ورحمت ہے اور کافروں کے اوپر عذاب ہے)(۲)

اس سے یہ شبہ ختم ہوجاتا ہے کہ جب طاعون کو عذاب بتایا گیا تو نیکوں پر یہ کیوں آتا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ کفار اور گنہگاروں کے لئے عذاب ہے اور مؤمنوں کے لئے رحمت ہے۔

---

(۱) بخاری: ۵۴۰۲، مسلم: ۲۳۲۲۲ (۲) مسند احمد: ۸۱/۵، معجم کبیر طبرانی: ۳۹۱/۲۲، مسند الحارث: ۳۵۸/۱، الآحاد والمثانی: ۳۴۲/۱

طاعون مؤمن کے لئے شہادت

جیسا کہ اوپر کی احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ طاعون مؤمن کے لئے رحمت وشہادت ہے، اسی طرح اس کے بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں۔

(۱) حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "**الطاعون شهادة لكل مسلم**" (طاعون ہر مسلم کے لئے شہادت ہے) (۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ سے ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "**الشهداء خمسة: المطعون ،والمبطون،والغرق، وصاحب الهدم ، والشهيد في سبيل الله**" (شہداء پانچ ہیں: ایک طاعون میں مبتلا ہونے والا، دوسرا پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہونے والا، تیسرا غرق ہونے والا، چوتھا عمارت وغیرہ گر پڑنے سے مرنے والا اور پانچواں اللہ کے راستے میں شہادت پانے والا) (۲)

(۳) حضرت ابو ہریرہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جائے، فرمایا کہ پھر تو میری امت کے شہید کم ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر وہ شہید کون لوگ ہیں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ: "**من قتل في سبيل الله فهو شهيد ، ومن مات في سبيل الله فهو شهيد ، ومن مات في الطاعون فهو شهيد ، ومن مات في البطن فهو شهيد**" (۳)

(جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید اور جو اللہ کے راستے میں مر جائے اور جو طاعون میں مرے وہ شہید اور جو پیٹ کی بیماری میں مرے وہ شہید)

مگر اوپر ہم نے بخاری واحمد کے حوالہ سے بروایتِ عائشہؓ جو حدیث نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درجۂ شہادت اس وقت ملتا ہے جب کہ بندہ صبر کے ساتھ اپنی ہی بستی میں رہے اور یہ یقین رکھے کہ مصیبت و بیماری وہی پہنچتی ہے

(۱) بخاری:۵۷۳۲، مسلم:۱۹۱۶ (۲) بخاری:۲۸۲۹، مسلم:۱۹۱۴ (۳) مسلم:۱۹۱۵

جو اللہ نے میرے حق میں مقدر کیا ہے۔

فائدہ اولی

یہاں ایک سوال ہے، وہ یہ کہ طاعون کا شہادت ہونا یہ ہر مؤمن کے لئے ہے یا صرف کامل مؤمن کے لئے ہے؟ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہے؛ کیونکہ اس کی صراحت کسی حدیث میں نہیں ہے، تاہم یہاں علماء کے مختلف خیالات و نظریات ملتے ہیں، ایک یہ کہ احادیث کے اشارات یہ بتاتے ہیں کہ یہ درجہ صرف مؤمن کامل کے لئے ہے؛ کیونکہ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طاعون فسق و فجور اور زنا و فحش کی وجہ سے بھی بطور عذاب بھیجا جاتا ہے۔

مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث اوپر پیش کی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس قوم میں فحش کاری عام ہو جائے حتی کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے، اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آباء و اجداد میں نہیں گذریں۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کر چکا ہوں جس میں حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ: ''کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے''۔ اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی روایت بھی گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میری امت بخیر ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچے زیادہ نہ ہو جائیں اور جب حرامی بچے زیادہ ہو جائیں اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا''۔

یہ سب احادیث بتا رہی ہیں کہ موت و طاعون فحش و زنا کی کثرت کا بھی نتیجہ ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے طاعون شہادت بھی نہیں ہو سکتا، علامہ ابن حجر نے اسی قسم کی احادیث کی وجہ سے فرمایا کہ : ''ففي هذه الأحاديث أن الطاعون قد يقع عقوبة بسبب المعصية ، فكيف يكون شهادة ؟ (ان احادیث میں یہ بات ہے کہ طاعون کبھی گناہوں کی سزا کے طور پر بھی واقع ہوتا ہے، پھر وہ شہادت کیونکر ہو جائے گا؟) (۱)

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۹۳

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ طاعون ہر مؤمن ومسلمان کے لئے شہادت ہے خواہ وہ کامل ہو یا ناقص ہو؛ کیونکہ بعض احادیث میں صراحت ہے کہ یہ ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے ،اور گنہ گار کو شہادت کا درجہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ درجہ میں کامل مؤمن کے مساوی و برابر ہو جائے ؛ کیونکہ شہادت کے بہت سے متفاوت درجات ہیں۔(۱)

فائدہ ثانیہ

اس موقعہ پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حدیثوں میں دوقسم کے الفاظ آئے ہیں: بعض میں فرمایا کہ طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے اور اسکی تفسیر دوسری حدیث یوں کرتی ہے:" المطعون شهيد" (طاعون زدہ شخص شہید ہے)۔ان حدیثوں میں طاعون زدہ کو شہادت پانے والا بتایا ہے۔دوسری بعض حدیثوں میں یہ فرمایا گیا کہ جو مؤمن بندہ اپنی بستی میں صبر کے ساتھ اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے رہے، اسکو شہید کا اجر ملے گا۔اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ شہید ہوگا بلکہ یہ فرمایا کہ شہید کا اجر پائے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں اس سے یہ سمجھا ہے کہ جو طاعون میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے وہ تو شہید ہوتا ہے اور جو شخص مرتا نہیں وہ شہادت کا اجر و درجہ پاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ طاعون میں مبتلا ہو کر مر جائے بشرطیکہ ان صفات سے متصف ہو جن کا حدیث میں ذکر ہے یعنی صبر اور اللہ پر بھروسہ۔دوسرے یہ کہ طاعون میں مبتلا تو ہو مگر نہ مرے، بلکہ بچ جائے۔تیسرے یہ کہ طاعون میں مبتلا ہی نہ ہو مگر بستی میں صبر وتوکل سے رہے۔ان میں سے پہلی صورت شہادت کی ہے اور بقیہ دو صورتیں درجہ و اجر شہادت کی ہیں۔ (۲)

(۱) قالہ ابن حجر فتح الباری:۱۰/۱۹۳ (۲) فتح الباری:۱۰/۱۹۴ و کذا فی عمدۃ القاری:۱۴/۱۳۷

امت کے لئے نبی کریم ﷺ کی دعاء

جب مؤمن کے حق میں طاعون کا رحمت وشہادت ہونا معلوم ہوگیا تو اب یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے امت کے حق میں ایک عجیب دعاء فرمائی ہے۔حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فَنَاءَ أُمَّتِي قَتْلاً فِيْ سَبِيْلِکَ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ'' اے اللہ !میری امت کی موت کو تیرے راستہ میں طعن وطاعون کے ذریعہ قتل (شہادت) بنادے)(۱)

اورامام احمد نے مسند میں،امام طبرانی نے ''معجم کبیر''میں،حاکم نے مستدرک میں اورابوبکر شیبانی نے ''الآحاد والمثانی''میں یہی حدیث حضرت ابوموسی اشعری کے بھائی حضرت ابو بردہ بن قیسؓ سے روایت کی ہے۔(۲)

اس میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے اللہ تعالی سے امت کے حق میں دو طریقوں سے شہادت کا سوال کیا ہے:ایک طعن سے،اس سے مراد جہاد میں ہونے والے زخم ہیں اور یہ معلوم ہے کہ جہاد میں زخم کھانا اورمرنا شہادت ہے۔دوسرے طاعون سے؛ کیونکہ اس سے بھی مؤمن کوشہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ امت کوشہادت کا اعلی وارفع مرتبہ ملےاوروہ یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں کفار کے ہاتھوں میں قتل ہوجائے،خواہ یہ کفار انسان ہوں یا جن ہوں۔یہ بات اوپر گذرچکی ہے کہ طاعون جنات کا حملہ ہے۔تو خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کسی نہ کسی صورت سے شہادت پالے۔

(۱)احمد:۲۳۸/۴،مسند ابو یعلی:۱۵۷/۱۳(۲)مسند احمد: ۲۳۸/۴،معجم کبیر: ۳۱۴/۲۲،مستدرک حاکم:۱۰۲/۲،الآحاد والمثانی:۴۵۰/۴

طاعون سے مدینہ کی حفاظت

مدینہ منورہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کا مقدس شہر ہے۔اس کے متعلق ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :" **علی أنقاب المدينة ملائكةٌ لايدخلها الطاعون ولا الدجال**"(مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں،اس میں نہ طاعون داخل ہو سکے گا اور نہ مسیح دجال داخل ہو سکے گا)(۱)

اور بخاری وغیرہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :"**المدينةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ المَلائِكةَ يَحْرُسُوْنَها ، فَلاَ يَقْرُبُها الدَّجَّالُ ، قال: ولاالطاعون إن شاء اللّٰه**"(دجال مدینہ کی طرف آئے گا اور وہاں فرشتوں کو پائے گا، پس نہ دجال اس میں داخل ہو سکے گا اور نہ انشاءاللہ طاعون اس میں داخل ہوگا)۔(۲)

مدینہ میں طاعون کبھی بھی نہ ہوگا

علماء کے درمیان اس میں بحث ہے کہ یہ حکم ہر زمانہ کے لئے ہے یا زمانۂ نبوی کے ساتھ خاص ہے؟ اسی طرح اس میں بحث ہے کہ اس حدیث میں لفظ"انشاءاللہ" کا تعلق دجال وطاعون دونوں سے ہے یا صرف طاعون سے ہے؟ ابن حجر کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں پر محیط ہے،اسی لئے بعض علماء نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے کہ مدینہ کا طاعون سے محفوظ ہونا اس دور سے لیکر آج تک اور ہمیشہ کے لئے ہے۔وہ کہتے ہیں کہ:" ثم استمر ذلك بالمدينة تمييزا لها من غيرها لتحقق إجابة دعوته وظهور هذه المعجزة العظيمة بتصديق خبره هذه المدة المتطاولة ".(۳)

(۱)مؤطا مالک:۱۵۸۲،بخاری:۱۷۸۱،مسلم:۱۳۷۹،احمد:۲۳۳۷ (۲)بخاری:۱۵/۶۷۱۵،ترمذی:۲۲۴۲،احمد:۱۲۲۶۶،ابویعلی:۵/۳۹۰،صحیح ابن حبان:۱۵/۲۱۵ (۳)فتح الباری:۱۰/۱۹۱

اسی طرح ابن حجر نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ مدینہ میں طاعون نہ داخل ہونا دراصل معجزات محمدیہ میں سے ہے؛ کیونکہ اطباء اول تا آخر اس بات سے عاجز ہیں کہ کسی شہر بلکہ کسی گاؤں سے طاعون کو دفع کر دیں، لیکن مدینہ میں طاعون کا داخل ہونا اس طویل مدت میں ممنوع ہو گیا۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ طاعون کا ہمیشہ کے لئے مدینہ سے دفع ہونا ہی مراد ہونا چاہئے کیونکہ ایک خاص مدت تک کسی شہر میں طاعون کا نہ ہونا تو کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتا؛ کیونکہ ایسا تو بہت سے گاؤں اور شہروں میں ہوتا ہے کہ ایک مدت تک وہاں ایسی وباء نہیں آئی، اس لئے اس کا ہمیشہ کے لئے مدفوع ہونا ہی مدینہ کا امتیاز ہے۔

حدیث میں ان شاء اللہ کا مفہوم

رہا یہ سوال کہ ان شاء اللہ کا تعلق دونوں باتوں سے ہے یا ایک سے تو جواب یہ ہے کہ یہاں ''ان شاء اللہ'' میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ برائے تبرک ہے، اور اس صورت میں اس کا تعلق دجال و طاعون دونوں کے داخلہ سے ہے اور اللہ کے نبی کا منشأ یہ ہے کہ دجال و طاعون دونوں مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں گے، ان شاء اللہ، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ''ان شاء اللہ'' برائے تعلیق ہو، اس صورت میں اس کا تعلق صرف طاعون سے ہے، کہ اگر اللہ نے چاہا تو طاعون مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔(۲)

مدینہ کی طاعون سے حفاظت کیوں؟

ایک سوال یہاں یہ ہے کہ جب طاعون مسلم کے حق میں شہادت ہے تو مدینہ میں طاعون نہ ہونا، مدینہ کی فضیلت نہیں بلکہ برائی ہے کہ ایک عظیم دولت سے وہاں

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۹۱ (۲) فتح الباری: ۱۰/۱۹۱

کے لوگ محروم ہیں؟اس سوال کے جوابات حضرات علماء نے متعدد دیئے ہیں: سب سے عمدہ جواب اسکا یہ ہے کہ طاعون جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جنات کے حملہ سے ہوتا ہےاور کفار جنات شرارت وعداوت سے یہ کرتے ہیں اور مدینہ میں کفار جن داخل نہیں ہوسکتے، اس لئے وہاں کے لوگوں پر ان کا حملہ بھی نہیں ہوسکتا۔خلاصہ یہ کہ حدیث میں مدینہ کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ کفار جنات مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے،لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسند احمد میں حضرت ابوعسیب کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جبریلؑ دو چیزیں لیکر میرے پاس آئے: ایک بخار دوسرے طاعون، میں نے مدینہ میں بخار کو روک لیا اور طاعون کو ملک شام کی طرف بھیج دیا'' ابن حجر کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ تعداد کے لحاظ سے بھی اور سامان کے لحاظ سے بھی بہت قلیل تھے،اور اس زمانے میں مدینہ وباء کا مرکز تھا،تو آپ کو دو باتوں (بخار یا طاعون) میں اختیار دیا گیا،جن میں سے ہر ایک میں اجر جزیل ہے،آپ نے بخار کو اس لئے ترجیح دی کہ اس میں طاعون کے بخلاف موت و ہلاکت کم واقع ہوتی ہے، پھر جب آپ کو جہاد کی ضرورت پڑی اور بخار کے باقی رہنے کی صورت میں جسموں میں ضعف پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا تو آپ نے بخار کو بھی مدینہ سے جحفہ مقام کی طرف منتقل کردینے کی دعاء کی،تو مدینہ تمام شہروں میں سب سے زیادہ صحت مند علاقہ ہوگیا، پھر یہی صورت حال باقی رہ گئی تا کہ دوسرے شہروں سے یہ ممتاز رہے اور اللہ کے نبی کی دعاء کی قبولیت کا تحقق اور آپ کی دعاء سے اس عظیم معجزے کا ظہور ہوجائے۔(۱)

(۱) فتح الباری:۱۹۱/۱۰،عمدۃ القاری:۱۴۰/۱۷

ایک شبہ کا ازالہ

حدیث پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک روایت میں حضرت ابوالاسود سے نقل کیا گیا ہے کہ میں مدینہ آیا تو وہاں مرض واقع ہوا تھا اور لوگ جلد جلد موت کا شکار ہو رہے تھے۔ (۱)

یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا ہے جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں طاعون آیا ہے، اور اسی سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ یا تو مدینہ کے طاعون سے محفوظ ہونے کی بات حضور علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ خاص ہے یا یہ کہ اس سے مراد عمومی طاعون ہے جس سے شہر کا شہر ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ''المفہم'' میں یہی کہا ہے کہ اس سے مراد ایسا عمومی طاعون ہے جیسا عمواس و جارف میں ہوا تھا، علامہ ابن حجر نے اس کو نقل کر کے کہا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ طاعون فی الجملہ مدینہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ مگر بات در اصل ایسی نہیں ہے؛ کیونکہ ابن قتیبہ نے معارف میں یقین کے ساتھ کہا ہے اور ان کی ایک جم غفیر نے اتباع کی ہے کہ جن میں سے علامہ نووی بھی ہیں کہ طاعون بالکل بھی نہ مدینہ میں داخل ہوا اور نہ مکہ میں داخل ہوا۔ (۲)

لہٰذا صحیح یہی ہے کہ طاعون سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے، اب رہی وہ روایت جو ابوالاسود سے مروی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں موت سے مراد طاعون نہیں ہے، بلکہ کوئی عام وباء مراد ہے۔

---

(۱) بخاری: ۲۵۰۰، احمد: ۱/۲۱، صحیح ابن حبان: ۷/۲۹۷، مسند ابو یعلی: ۱/۱۳۵، سنن بیہقی: ۱۰/۱۲۳

(۲) فتح الباری: ۱۰/۱۹۰

مکہ مکرمہ طاعون سے محفوظ

مدینہ منورہ کی طرح مکرمہ کے متعلق بھی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ ہوگا۔ چنانچہ عمر بن شبہ نے ''کتاب مکہ'' میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ اور مکہ فرشتوں سے گھرے ہوئے ہیں، ہر نقب پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہے، ان میں نہ دجال داخل ہوگا، نہ طاعون داخل ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔(۱)

بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ سنہ ۷۴۹ ھجری میں مکہ میں طاعون آیا تھا۔ علماء نے اس کا جواب دیا ہے: ایک جواب یہ ہے کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں طاعون سے مراد عام طاعون ہے جو سب شہر والوں کو گھیر لے، مکہ و مدینہ میں ایسا نہ ہوگا، بلکہ اکے دکے واقعات ہوں گے۔ علامہ قرطبی نے " المفھم "میں ان احادیث کا یہی معنی و مطلب بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)(۲)

طاعونی شہید، دربار خداوندی میں

طاعون میں مبتلا ہوکر مرنے والے شہداء جب خداوند تعالی کے دربار میں حاضر ہوں گے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کو ایک حدیث میں بتایا گیا ہے۔ حضرت عتبہ بن عبد السلمی رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

''شہداء کرام اور طاعون سے مرنے والوں کو لایا جائے گا، طاعون والے کہیں گے کہ ہم بھی شہداء ہیں، اس پر (اللہ کی طرف سے) کہا جائے گا کہ دیکھو اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح خون بہاتے ہوں اور ان کے زخموں کی

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۹۱ (۲) فتح الباری: ۱۰/۱۹۱

خوشبوں مشک کی طرح ہوتو یہ شہداء ہیں۔(جب فرشتے دیکھیں گے تو)انکوایسا ہی پائیں گے۔(۱)

لوگوں کا جھگڑااور خدائی فیصلہ

طاعونی شہیدوں کے متعلق قیامت کے دن لوگوں کی دو جماعتیں ہو جائیں گی۔ایک جہاد میں شہید ہونے والے لوگوں کی جماعت اور ایک اپنے گھر میں معمولی حالت میں بچھونے پر مرنے والوں کی ، ان دونوں جماعتوں میں طاعونی شہداء کے متعلق جھگڑا ہوگا،اسکی کیفیت حضرت عرباض بن ساریہ نے حضوراکرم ﷺ کی زبانی نقل کی ہے کہ:

''شہداء کرام اللہ کے دربار میں عرض کریں گے کہ یہ طاعون میں مرنے والے ہمارے بھائی اس طرح قتل ہوئے ہیں جیسے ہم قتل وشہید ہوئے اور دوسرا گروہ عام مرنے والوں کا کہے گا کہ یہ ہماری طرح اپنے بچھونے پر مرے ہیں (یعنی ان کوشہیدوں کا مرتبہ نہیں ملنا چاہئے)اس پر اللہ عزوجل فرمائے گا کہ ان طاعونی لو گوں کے زخموں کو دیکھا جائے ،اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں تو وہ شہیدوں میں شمار ہوں گے ، جب ان کے زخموں کو دیکھا جائے گا تو ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہونگے۔لہٰذاان کوان کے ساتھ کردیا جائیگا۔(۲)

طاعون زدہ علاقے میں نہ جاؤاور نہ اس سے نکلو

طاعون زدہ علاقے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے دوحکم بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ کسی جگہ طاعون ہوتو وہاں نہ جاؤ۔دوسرا یہ کہ جس جگہ طاعون ہے وہاں سے

(۱) مسنداحمد:۱۸۵/۴،معجم کبیر طبرانی:۱۱۸/۱۷،مسند الشامیین:۴۲۹/۲ (۲)احمد:۱۶۵۳۳،نسائی سنن صغری:۳۱۶۴،نسائی سنن کبری:۲۵/۳،معجم کبیر طبرانی:۲۵۰/۱۸،حلیۃ الاولیاء:۲۲۱/۵

باہر نکل کر راہ فرار اختیار نہ کرو۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی یہ حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"الطاعون رجز أوعذاب عُذِّبَ به بعضُ الأُمم ، ثم بقي منه بقيةٌ، فيذهب المرّةَ ، ويأتي الأُخرىٰ ، فمَنْ سَمِعَ به بأرض فلا يقدمنَّ عليه ، ومن كان بأرض وَقَعَ بها فلايخرج فراراً منه "(طاعون ایک عذاب ہے، جس سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا، پھر اس میں سے کچھ باقی رہ گیا، وہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آ جاتا ہے، پس جو شخص کسی علاقے میں اس کا ہونا سنے تو اس کو وہاں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے بھاگنا نہ چاہئے)

اس سے معلوم ہوا کہ طاعون زدہ علاقے میں نہ داخل ہونا چاہئے اور نہ وہاں سے وہاں کے رہنے والے کو وہاں سے فرار ہونا چاہے، اس حکم کی وجہ وعلت کیا ہے اس میں علماء کو کلام ہے۔

ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم میں ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت وتقدیر سے ہوتا ہے، کسی انسان اور کسی مخلوق کو بالذات اس میں کوئی دخل نہیں، اگر ہے تو وہ محض کسب یا سبب ہونے کی حیثیت سے ہے۔ مگر زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں جہاں بہت سے غلط عقائد ونظریات قائم تھے وہیں ایک یہ عقیدہ بھی تھا کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں ، اور وہ لوگ اللہ کے حکم و مشیت کی قید کے بغیر ان کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک مریض سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کی اصلاح بھی لازم تھی ،تو اللہ تعالی نے قرآن میں اور اللہ کے نبی ﷺ نے احادیث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قرآن میں وارد ہوا ہے کہ:

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [التوبۃ:۵۱]

(آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، اور مؤمنین کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے)

ایک اور جگہ خاص مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [التغابن:۱۱]

(نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو رہنمائی کرتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں)

ان آیات میں اسی عقیدے کا بیان ہے کہ سب کچھ اللہ کی مشیت و ارادے سے اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر کی بنا پر واقع ہوتا ہے، کسی انسان میں یا کسی چیز میں بالذات کوئی طاقت نہیں، کہ ہر حال میں وہ کوئی اثر دکھائے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ”لاَ عَدْوٰى وَلاَ طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ“ (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے نہ ھامہ اور صفر کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے، ہاں جذامی سے ایسا بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ” لاَ عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ “ (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ ھامہ اور صفر اور ستارہ کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے)۔(۲)

(۱) بخاری:۵۳۸۰ (۲) مسلم:۲۲۲۰

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ : **لاَ عَدْوٰی وَلاَ طِیَرَۃَ وَلا غَوْلَ**"(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، نہ شیاطین کے بھٹکانے کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے)۔(۱)

ایک حدیث میں یہ ہے کہ "**لاَ عَدْوٰی وَلاَ طِیَرَۃَ وَیعجبني الفأل ، الکلمة الحسنة والکلمة الطیبة**"(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، اور مجھے فال اچھا لگتا ہے، یعنی کوئی نیک اور اچھا کلمہ)۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیماری کا دوسرے کو لگنا کوئی چیز نہیں، اور ھامہ اور صفر کا عقیدہ بھی کوئی چیز نہیں، تو ایک دیہاتی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا خیال ہے ان اونٹوں کے بارے میں جو ریت میں رہتے ہیں، گویا کہ وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح ان کو کوئی بیماری ہی نہیں) پس ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے اور ان میں مل جاتا ہے تو وہ اونٹ بھی خارش کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :" **فَمَنْ أَعْدٰی الْأَوَّلَ** "(پہلے اونٹ کو کس نے بیماری دی)۔(۳)

ان احادیث میں " عَدْوٰی " کے معنی بعض علماء نے "فساد وخرابی" کے بیان کئے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے معنے "علت و بیماری کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرنے" کے ہیں۔(۴)

اور اللہ کے نبی ﷺ کے اس جملے کا معنے ہوا "خرابی و بیماری کا ایک آدمی سے دوسرے کی جانب منتقل ہونے کا خیال کوئی چیز نہیں، یعنی صحیح نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اس عقیدے کی تردید ہے

(۱)مسلم: ۲۲۲۲(۲)مسلم: ۲۲۲۴، مسند احمد: ۱۳۶۵۸(۳)بخاری: ۵۳۷۸، مسلم: ۲۲۲۰، مسند احمد: ۷۶۰۹، صحیح ابن حبان: ۴۸۴/۱۳(۴) مرقات: ۳/۹

کہ بیماری بالطبع و بالذات بغیر اللہ کے حکم ومشیت کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرتی ہے ؛ کیونکہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ امراض ایک دوسرے کو لگتے ہیں اور بالذات وبالطبع لگتے ہیں ۔(۱)

اور بعض حضرات علماء نے کہا کہ یہ ان علماء طب اور سائنس کے نظریئے کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیماریاں ایک دوسرے کولگتی ہیں ،اور یہ ان بیماریوں کا خاصہ وطبیعت ہے،آپ نے بتادیا کہ یہ نظریہ باطل ہے۔(۲)

مگراس پرایک سوال واشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے بعض اپنے ارشادات میں اوراسی طرح اپنے عمل سے یہ بتایا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں،مثلاً اوپرایک حدیث میں آیا ہے کہ :"وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ"(جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں)

اورایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :لَايُوْرِدُ مُمَرِّضٌ عَلٰى مُصَحٍّ"(بیمار اونٹ والا صحیح اونٹ والے کے پاس اپنے اونٹوں کو پانی نہ پلائے)(۳)

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:وفد بنوثقیف میں ایک جذامی تھا اس نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے اس کو براہ راست بیعت نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمہیں بیعت کرلی ۔(۴)

بظاہران احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے،حالانکہ تمام احادیث صحیح ہیں، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ ان احادیث میں حقیقی طور پر کوئی اختلاف وتعارض نہیں

---

(۱) شرح مسلم للنووی:، فتح الباری:۱۰/۲۴۱،معارج:۳/۹۸۴، فتح المجید:۱/۲۹۴،تیسیر العزیز الحمید:۱/۳۷۳ (۲) مرقات:۹/۳، فیض القدیر: ۶/۴۳۳ (۳) مسلم : ۲۲۲۱، واللفظ لہ، بخاری: ۵۴۳۹،ابن ماجہ:۳۵۴۱،احمد:۹۶۱۰ (۴) مسلم:۲۲۳۱،ابن ماجہ:۳۵۴۴

ہے۔ چنانچہ حضرات علماء نے اس سلسلہ میں بحث کی ہے اور بعض لوگ ان احادیث میں نسخ کے قائل ہوئے ہیں، اور بعض لوگ ان میں ترجیح کی طرف گئے ہیں، اور اکثر حضرات نے ان میں جمع وتطبیق کی راہ اختیار کی ہے۔ (۱)

پھر جن حضرات نے جمع وتطبیق کو اختیار کیا ہے انھوں نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ کا منشأ یہ ہے کہ بالذات بغیر اللہ کے منشأ وحکم کے کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، جیسا کہ اہل جاہلیت سمجھتے تھے؛ کیونکہ سب امور اللہ کی مشیت وحکم کے تابع ہیں، اور بیماری بھی اسی کے حکم کے تابع ہے، ہاں اللہ کی مشیت وحکم کے مطابق کوئی بیماری ایک سے دوسرے کی جانب تجاوز کر جائے جیسے اسباب میں ہوتا ہے تو یہ ممکن ہے اور ہوتا ہے، اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی سے بھاگنے کا حکم دیا اور جذامی کو ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت نہیں کیا؛ کیونکہ سبب کے درجے میں بیماری ایک سے دوسرے کو لگ سکتی ہے۔ الغرض تعدیۂ امراض کی نفی سے مراد بالذات تعدیہ ہے اور تعدیۂ امراض کے اثبات سے مراد حکم خدا سے تعدیہ ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے جن میں سے ابن الصلاح، بیہقی، ابن القیم اور نووی بھی ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا منشأ مطلقاً تعدیۂ امراض کی نفی کرنا ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو بالکل نہیں لگتی، رہا یہ کہ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی سے پرہیز کیوں کیا اور اس کا کیوں حکم دیا تو یہ دراصل اس لئے ہے کہ اگر کوئی کمزور عقیدہ والا جذامی سے ملا اور اللہ کے حکم ومشیت سے اس کو وہی بیماری

(۱) اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ابن حجر: ۱۰/۱۵۹-۱۶۲، شرح مسلم نووی: ، زادالمعاد ابن القیم: ، مفتاح دارالسعادۃ ابن القیم: مرقات ملاعلی قاری: ۹/۳-۴

آ گئی تو وہ خیال کرے گا کہ یہ بیماری سے ملنے ہی سے مجھے آئی ہے، اور اس طرح اس کا ایمان خراب ہوگا، لہٰذا اللہ کے نبی علیہ السلام نے حسماً للمادۃ وسداً للباب یہ فرمایا کہ جذامی سے شیر کی طرح بھاگو، لیکن کوئی صحیح العقیدہ پکا مسلمان اللہ پر کامل اعتماد رکھنے والا جذامی کے ساتھ ملے اور کھائے پیئے تو کوئی حرج نہیں جیسے کہ خود اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی کے ساتھ کھانا ایک ہی برتن میں کھایا تھا۔ امام ابوعبید اور ایک جماعت علماء نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ اصل تو وہی ہے کہ بیماری کسی کی کسی کو نہیں لگتی، جیسے کہ " لا عدوی" فرمایا گیا ہے، مگر بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بدبو وغیرہ سے طبعاً کراہت ونفرت پیدا ہوتی، لہٰذا آپ نے اسی طبعی کراہت کے طور پر فرمایا کہ جذامی سے بھاگو، یہ اس لئے نہیں کہ بیماری لگ جاتی ہے، بلکہ اس لئے کہ طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے۔

اس کے بعد اب آیئے زیر بحث مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے طاعون زدہ علاقے میں داخل ہونے سے بھی منع کیا اور وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے سے بھی منع کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ امام طحاوی نے اس کی شرح میں بیان کیا کہ اس حکم میں حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی طاعون والے علاقے میں گیا اور تقدیر الٰہی سے اسکو بھی طاعون ہوگا تو وہ کہیں یہ نہ سمجھے کہ وہاں جانے سے مجھے طاعون ہوا، اور اگر طاعون زدہ علاقے سے کوئی باہر آ گیا اور طاعون سے بچا رہا تو یہ نہ سمجھ جائے کہ باہر نکل کر میں بچ گیا؛ کیونکہ بیماری خدا کے حکم سے آتی ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے، جس کو طاعون ہونا ہے اس کو ضرور ہوگا، خواہ وہ وہیں رہے یا بھاگے اور جس کے حق میں یہ مقدر نہ ہو اس کو ہرگز نہ ہوگا، خواہ بھاگے یا وہیں رہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو

(۱) طحاوی: ۳۵۰/۲

پہلے سے وہاں ہے وہ وہاں سے نہ نکلے اور جو وہاں نہیں ہے وہ وہاں نہ جائے تا کہ کسی بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ متعدی بیماریاں ایک دوسرے کو لگتی ہیں مگر یہ بھی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے بغیر تقدیر الٰہی کے نہیں ہوتا، اس صورت میں حدیث میں جو طاعون زدہ علاقے سے نکلنے کو ممنوع قرار دیا ہے اس کی حکمتیں یہ سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) نکلنے والے کے ذریعہ دوسرے تک بیماری متعدی نہ ہو۔

(۲) طاعون زدہ لوگوں کی تیمارداری وعیادت کی جاسکے۔ ورنہ سب نکل جائیں گے تو بیماروں کا کیا ہوگا۔

اور باہر سے ایسے علاقے میں داخلے سے منع کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے بلکہ احتیاط و پرہیز کرے۔

طاعون سے فرار پر وعید

طاعون زدہ علاقے میں رہ کر صبر اور خدا پر توکل کرنا رحمت و برکت کا سبب اور شہادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور ایسے علاقہ سے فرار ہونا سخت وعید کا باعث ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: " **الفارُّ من الطاعون كالفارِّ من الزحف والصابر فيه كالصابر في الزحف**"(طاعون سے فرار ہونے والا ایسا ہے جیسے جہاد کے میدان سے گھمسان کی لڑائی کے وقت بھاگنے والا اور اس میں صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے گھمسان کی لڑائی میں صبر کرنے والا)۔(۱)

حضرت عائشہؓ نے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے جس کو

(۱) مسند احمد: ۱۳۹۵

امام احمد وابن خزیمہ نے بسند حسن نقل کیا ہے۔(۱)

علماء نے لکھا ہے کہ طاعون زدہ علاقہ سے نکلنا تین صورتوں میں ہوسکتا ہے: ایک یہ کہ طاعون سے فرار اختیار کرتا ہوا نکلے۔ حدیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ کسی کام سے باہر جانا چاہتا تھا کہ وہاں طاعون آ گیا، یہ اگر اپنے کام سے باہر جائے تو اس پر وعید نہیں۔ تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے باہر جانا چاہتا تھا، بستی میں طاعون آ گیا، اب اس نے ارادہ کرلیا کہ باہر تو ضرورت سے جانا ہے، اب باہر ہی رہوں گا تا کہ طاعون سے بچا رہوں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔(واللہ اعلم)

اوپر کی تفصیلات سے طاعون کے بارے میں بہت ساری باتیں معلوم ہوئیں، ان میں یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ نے گناہوں کی پاداش میں بطور عذاب طاعون بھیجا، نیز فحش وزنا پر طاعون آتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہر اس کام سے جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہو، بچنا چاہئے اور اگر بچے ہوئے ہیں تو آخرت کی مزید فکر میں لگنا چاہئے، موت خواہ طاعون سے ہو یا نہ ہو، یہ تو یقینی ہے کہ سب کو مرنا ہے، اس لئے ہمیشہ موت کی تیاری میں لگے رہنا چاہئے، وہ اس طرح کہ ایمان بھی پختہ ہو اور عمل بھی کامل ہو۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق بخشے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

---

(۱) فتح الباری: ۱۸۸/۱۰